علامہ طباطبائی کا فقہی منہج تفسیر

عبادات

علی کاظم

۱۲۵۶۳۱۰

مجتمع زبان و فرہنگ شناسی

مقدمہ:

علامہ طباطبائی کا فقہی منہج تفسیر:۔

تفسیر فقہی تفسیر کی ایک ایسی روش ہے کہ جس میں مفسر آیات الاحکام (یعنی ایسی آیات کہ جو اعمال مکلّف کے متعلق احکام شرعیہ کو بیان کرتی ہیں) کی تفسیر اور تبین کرتا ہے۔ تفسیر فقہی قرآن کی دوسری روش کی تفاسیر میں ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ قرآن تمام مذاھب اسلامی کی نظر میں قوانین اسلامی اور احکام شریعہ کا مھم ترین منبع ہے اور حجیت سنت (کہ جس سے عمدہ ترین احکام شرعیہ استنباط اور استخراج ہوتے ہیں) کی بازگشت بھی قرآن کی طرف ہی ہے۔

مباحث فقہی کی وسعت اور آیات الاحکام کے بارے میں علماء اسلام کے ہاں دو نظریے پائے جاتے ہیں [1] معروف فقہا اور مفسران چند آیات قرآن کو احکام فرعی اور تکالیف عملی کا بیانگر سمجھتے ہیں جبکہ بعض (علماء) موضوعات مذکور کے علاوہ بھی کچھ مباحث فقہی کا اضافہ کرتے ہیں۔

چونکہ آیات قرآن احکام شرعیہ وغیرہ کو بیان کرتی ہیں لہٰذا پیامبر اکرمؐ اور ان کی آل کا وظیفہ ہے کہ آیات قرآن بمع آیات فقہی کو مسلمانوں کے لئے تفسیر کریں۔

" مشہور فقہاء و مفسران جن آیات کا موضوع احکام فرعی اور تکالیف عملی سمجھتے ہیں وہ " نماز روزہ، زکات، خمس ،حج، جہاد، نکاح، ارث، حدود، دیات اور عقود کو بیان کرتی ہیں۔

البتہ بعض علماء اس نظریہ قائل ہیں کہ موضوعات کے علاوہ وہ مباحث فقہی جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں مثلا آیات تاریخی اور قصص، آیات اخلاقی اور وہ آیات کہ جو اعتقادات سے مربوط ہیں ان آیات کو بھی آیات الاحکام کہا جا سکتا ہے اور ان سے بھی احکام فقہی کو استنباط اور استخراج کیا جا سکتا ہے۔[2]

---

[1]: کنز العرفان، فقہ القرآن، احکام القرآن، شافعی

خصوصیات مباحث فقہی وآیات الاحکام:۔

قرآن کی مباحث فقہی اور احکام کی تبیین کی روش روایات سے مختلف ہے قرآن میں احکام شرعی غالبا اجمالی اور کلی صورت میں بیان کیے گئے ہیں مثلاً احل الله البیع (البقرہ۔275) اور اوفوا بالعقود (مائدہ۔1) وغیرہ جبکہ روایات میں احکام اور مباحث فقہی مفصل اور جزئی صورت میں بیان کیے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ احکام فقہی کو بیان کرنے میں قرآن نے مختلف الحان اور لہجوں سے استفادہ کیا ہے۔مثلا کہیں امر کے لئے "فعل امر جبکہ بعض مقامات "یرکب

"فرض جیسے کلمات استعمال ہوئے ہیں۔کبھی جملہ خبریہ ہے تو کبھی حالت مصدری سے احکام کو بیان کیا گیا ہے مثلاً "لا یمسّہ الا المطھرون (واقعہ۔79) ،فضرب الرقاب (محمد۔4)

فصل اول: عبادات

نماز:۔

معناو مفہوم نماز:

---

[2] البرھان فی علوم القرآن، ج2، ص13:

نماز لغت میں "پرستش، نیاز مندی، سجود، بندگی واطاعت اظہار بندگی کے لئے خم ہونا اور دین کے فرائض میں سے ایک ہے مسلمان شب و روز اس فریضے کو پانچ مرتبہ بجالاتے ہیں نماز یعنی بندگی، فرمان برداری، سر کا تعظیما جھکانا وغیرہ۔

نماز ذکر خدا کے توسل سے نسیان کی دوا ہے۔ نماز خالق اور مخلوق کے درمیان ایک معنوی رابطہ ہے۔ نماز یعنی مادیات (اور دنیا) سے دل کو بیزار رکھنا اور روح کا عالم بالا کی طرف پرواز کرنا۔ یعنی سماعت اور بصارت سے آگے بڑھنا وغیرہ۔

نماز میں خلوص کا ہونا شرط تاکہ ھدف مذکور حاصل ہو سکے اسی لیے حضرت علی (ع) بھی "نہ تجارت کی وجہ سے اور نہ ہی آگ کے ڈر سے بلکہ میں خداوند کو لائق عبادت سمجھتے ہوئے نماز ادا کرتے تھے[3]۔

مرحوم علامہ طباطبائی کا بیان:۔

متن تفسیر:

قوله تعالى: ﴿إن الصلاة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا﴾ الكتابة كناية عن الفرض والإيجاب كقوله تعالى ﴿كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم﴾ البقرة: 1833 والموقوت من وقت كذا أي جعلت له وقتا فظاهر اللفظ أن الصلاة فريضة موقتة منجمة تؤدي في أوقاتها ونجومها.

[3] نھج البلاغہ، حکمت 237:

والظاهرأن الوقت في الصلاة كناية عن الثبات وعدم التغير بإطلاق الملزوم على لازمه فالمراد بكونها كتابا موقوتا أنها مفروضة ثابتة غير متغيرة أصلا فالصلاة لا تسقط بحال، وذلک أن إبقاء لفظ الموقوت على بادیء ظهوره لا يلائم ما سبقه من المضمون إذ لا حاجة تمس إلى التعرض لكون الصلاة عبادة ذات أوقات معينة مع أن قوله ﴿إن الصلاة﴾ في مقام التعليل لقوله ﴿فإذا اطمأننتم فأقيموا الصلاة﴾ فالظاهر أن المراد بكونها موقوتة كونها ثابتة لا تسقط بحال، ولا تتغير ولا تتبدل إلى شيء آخر كالصوم إلى الفدية مثلا۔

مفہوم متن:۔

ان الصلاۃ کانت علی المومنین کتبا موقوتا[4]

"کتابت یہ ایک کنایہ واجب ہونے اور واجب کرنے کے لئے ارشاد ہے بے شک نماز مومنین پر لکھی گئی اور واجب ہے اسی آیت کی طرح قرآن مجید میں ایک اور آیت بھی ہے (جو "کتابت سے مراد واجب اور فرض ہونے کو بیان کرتی ہے)

،کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم[5]

اور کلمہ "موقوت مادہ وقت سے لیا گیا ہے۔جب یہ کہا جائے "وقت کذا اس کا معنا ہوگا کہ فلاں امر (کام) کے لئے میں فلاں وقت کو معین کیا ہے۔

---

[4]سورہ نساء آیۃ 103:

[5]سورہ بقرہ آیہ 183:

اسی بناپر لفظ کے ظاھر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نماز از اول شریعت فریضہ تھااور اس کے وقت بھی معین تھاجسکا مطلب یہ ہے کہ ہر نماز اپنے معین وقت میں ادا کی جائے۔ نماز کسی بھی حالت میں ساقط نہیں ہے۔ مگر ظاھر وقت نماز کے لئے ایک کنایہ ہے کہ جو نماز کے ثبات اور عدم تغیر کی تبیین کرتا ہے خلاصہ کلام یہ کہ لفظ کاظاھر مراد نہیں ہے اور خدا یہ نہیں فرمانا چاہتا کہ نماز ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت رکھتا ہے بلکہ فرمان خدا سے مراد یہ ہے کہ (نماز) ایک ایسا فریضہ ہے جو ثابت ہے اور کبھی بھی تبدیلی اور تغیر قبول نہیں کرتا اسی بناپر (لفظ) موقوت کا لفظ کتاب پر اطلاق ملزوم کالازم پر اطلاق کرنے جیسا ہے۔ کتاب موقوت سے مراد ایسا فریضہ ہے جو ثابت اور غیر متغیر (تبدیل نہ ہونے والا) ہے۔

خداوند متعال) فرمانا چاہتا ہے کہ (فریضہ) نماز اپنی اصل کے حساب سے کسی بھی تبدیلی کو قبول نہیں کرتا۔ (یعنی اصل نماز ھر حال میں فرض اور واجب ہے) پس کسی حالت میں بھی نماز ساقط نہیں ہے۔

(خلاصتامرحوم علامہ کے بیان کے مطابق) نماز کے موقوت ہونے سے مراد نماز کاثابت ہونا، ساقط نہ ہونااور کسی صورت میں بھی کسی دوسری چیز (عمل) کا نماز کے لئے بدل قرار نہ پانا ہے جیسا کہ روزے کا بدل کفارہ ہے۔ (یعنی نماز اتنا فضیلت اور اہمیت والا عمل ہے کہ جسکا بدل کوئی بھی عمل یا چیز نہیں ہو سکتے نماز دوسرے اعمال کی طرح نہیں بلکہ ان افضل کیونکہ دوسرے اعمال مثلاروزے کا بدل کفارہ ہے لیکن نماز اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ اس کا کوئی بھی بدل نہیں ہو سکتا اسی لیے یہ کسی بھی حالت میں ساقط نہیں ہوتی)

زکوۃ:۔

کلمہ زکوۃ سے مراد رشد اور نمود کہ جو برکت الٰھی سے دنیاوی اور اخروی اشیاء میں حاصل ہوتا ہے۔[6] کلمہ زکوۃ ایسے سھم الھی یہ کہ جسے انسان مومن اپنے مال سے نکال کر فقراء کو دیتا ہے اطلاق کرتا ہے۔ اس دلیل کے ساتھ

[6] راغب اصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن تحقیق داودی، صفوان عدنان، ص380 دار لعلم، الدار الشامیہ، دمشق، بیروت، چاپ اول 1412ق:

کہ اس (مال) کی ادائیگی انسان کے مال میں رشد وافزائش اور خیرات وبرکات کا باعث ہے یا ادا کرنے والے (انسان) کے تزکیہ نفس اور روح کی پاکیزگی کا موجب بنتی ہے [7] اسی بنا پر زکوۃ لغت دو معنی رکھتی ہے ایک رشد ونمود اور دوسرا پاکیزگی [8]۔

قرآن میں نماز اور زکوٰۃ کا بار بار اکھٹے ذکر ہونا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ خالق سے رابطہ نماز کے ذریعے جبکہ مخلوق سے رابطہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے برقرار ہوتا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کا اکھٹے ذکر ہونا ان کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ جیسا کہ نماز قرآن اور روایات اسلامی میں ایک خاص اہمیت کی حامل ہے اسی طرح زکوۃ بھی دین اسلام میں اجتماعی اور اقتصادی بعد میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ البتہ اس بات کی طرف توجہ ہونی چاہیے کہ قرآن میں جو زکوٰۃ واجب کا ذکر ہے وہ ہر جگہ زکوٰۃ واجب فقھی نہیں بلکہ زکوٰۃ مختلف معانی کے ساتھ اور مختلف عناوین کے ساتھ ذکر ہوئی ہے۔ مثلا زکوٰۃ واجب زکوۃ انفاق اور صدقہ مستحبی کے معنی میں۔ نیز زکوٰۃ پاکیزگی کے معنی میں بھی ذکر ہوئی ہے [9]۔

مرحوم علامہ طباطبائی کا بیان؛۔

متن تفسیر:

قوله تعالى: ﴿والذين هم للزكاة فاعلون﴾ ذكر الزكاة مع الصلاة قرينة على كون المراد بها الإنفاق المالي دون الزكاة بمعنى تطهير النفس بإزالة رذائل الأخلاق عنها ولعل المراد بالزكاة المعنى المصدري وهو

[7]: راغب اصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن تحقیق داودی، صفوان عدنان، ص 380 دار العلم، الدار الشامیہ، دمشق، بیروت، چاپ اول 1412ق

[8] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب ج 14 ص 358 دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوازیخ بیروت چاپ سوم 1414ق:

[9] سورہ بقرہ آیت 177، سورہ روم آیت 39، سورہ توبہ آیت 103 وغیرہ۔:

تطهير المال بالإنفاق منه دون المقدار المخرج من المال فإن السورة مكية وتشريع الزكاة المعهودة في الإسلام إنما كان بالمدينة ثم صار لفظ الزكاة علما بالغلبة للمقدار المعين المخرج من المال.

وبهذا يستصح تعلق ﴿للزكاة﴾ بقوله: ﴿فاعلون﴾ والمعنى: الذين هم فاعلون للإنفاق المالي وأما لو كان المراد بالزكاة نفس المال المخرج لم يصح تعلقه به إذ المال المخرج ليس فعلا متعلقا بفاعل، ولذا قدر بعض من حمل الزكاة على هذا المعنى لفظ التأدية فكان التقدير عنده والذين هم لتأدية الزكاة فاعلون، ولذا أيضا فسر بعضهم الزكاة بتطهير النفس عن الأخلاق الرذيلة فرارا من تعلق ﴿للزكاة﴾ بقوله: ﴿فاعلون﴾.

وفي التعبير بقوله: ﴿للزكاة فاعلون﴾ دون أن يقول للزكاة مؤدون أو ما يؤدي معناه دلالة على عنايتهم بها كقول القائل: إني شارب لمن أمره بشرب الماء فإذا أراد أن يفيد عنايته به قال: إني فاعل.

ومن حق الإيمان بالله أن يدعو إلى هذا الإنفاق المالي فإن الإنسان لا ينال كمال سعادته إلا في مجتمع سعيد ينال فيه كل ذي حق حقه ولا سعادة لمجتمع إلا مع تقارب الطبقات في التمتع من مزايا الحياة وأمتعة العيش، والإنفاق المالي على الفقراء والمساكين من أقوى ما يدرك به هذه البغية......

مفہوم متن:۔

والذین هم للزکوٰة فاعلون[10]

[10] سورہ مومنون آیت 5:

زکوۃ کا نماز کے ساتھ نام لینا قرینہ ہے اس بات کا کہ (زکوۃ سے مراد) اس کا معروف معنی انفاق مالی ہے نہ کہ معنی لغوی کہ جو اخلاق رذیلہ سے تطھیر نفس پر دلالت کرتا ہے البتہ یہ احتمال ہے کہ مصدری معنی ہو کہ تطھیر مال (پاکیزگی مال) سے عبارت ہے نہ مال کہ جسے بطور زکوۃ دیا جائے (احتمالا زکوۃ کا مصدری معنی ہو سکتا ہے جو مال کی پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے اس سے مراد خود وہ مال نہیں کہ جو زکوۃ کے طور پر ادا کیا جائے) اس لیے کیونکہ سورہ مورد بحث مکہ میں نازل ہوئی تھی تب تک زکوۃ اپنے معروف معنی کے مطابق واجب نہیں ہوئی تھی۔ اور وجوب سے پہلے مدینہ میں بھی مال کی پاکیزگی کا معنی دیتی تھی۔ اس کے بعد جب مدینہ میں واجب ہوئی تو اس مال پر بطور اسم جی جو زکات کے عنوان سے نکالا جاتا تھا صدق کرنے لگی۔ پس اس بیان سے روشن ہو جاتا ہے کہ کیوں فرمایا زکات کے عامل ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ زکوۃ دیتے ہیں۔ پس آیت کا معنی (بھی) یہ ہے کہ مومنین وہ لوگ ہیں جو انفاق مالی کرتے ہیں۔ اور اگر زکوۃ سے مراد خود مال ہوتا تو پھر معنی نہیں بنتا تھا کہ خدا اس مال کو فعل کہ جو متعلق فاعل ہو قرار دے اور فرمائے کہ زکات کا عمل کریں اسی لیے (حسن) بعض (مفسران) نے زکوۃ کو مال کے معنی میں لیا ہے (وہ) مجبور ہیں کہ لفظ ادائیگی کو مقدر کریں اور کہیں کہ آیت تقدیرا والذین ھم لتادیہ الزکوۃ فاعلون ہے۔ اور پھر اسی جہت سے بعض دوسروں نے گریز کی اور زکوۃ کو اخلاق رذیلہ سے تطھیر نفس کے معنی میں لیا ہے تا کہ مذکور اشکال سے قرار کر سکیں۔ اور اس میں للزکوۃ فاعلون فرمایا اور للزکوۃ مودون نہیں فرمایا (یہ) اشارہ اور دلالت اس بات پر کہ مومنین زکوۃ دینے میں عنایت رکھتے ہیں مثلاا گر کوئی آپ کو پانی پینے کا حکم دے اور جواب میں آپ کہیں کہ پیوں گا تو یہ نکتہ عنایت کا فائدہ نہیں دیتا اور اگر کہیں کہ میں فاعل ہوں تو یہ عنایت (کا معنی) پہنچاتا ہے۔

زکوۃ طبقات جامعہ کی قربت کا بزرگترین عمل:

زکوۃ دینا ایک ایسا عمل ہے کہ جسکا خدا پہ ایمان تقاضا کرتا تھا کیوں کہ انسان کمال سعادت حاصل نہیں کر سکتا مگر یہ کہ سعادتمند اجتماع میں زندگی بسر کرے اس میں ہر مستحق اپنا حق حاصل کرتا ہے۔ اجتماع (ومعاشرہ) سعادت نہیں

حاصل کرسکتے مگر یہ کہ لوگوں کے مختلف طبقے آپس میں نزدیک قرار پائیں تاکہ ایک دوسرے کے مال ومتاع حیات کی نگہداری کریں اور استفادہ کریں اور طاقتوروں اور قدرتمندوں سے فقراء اور مساکین کے انفاق مالی (زکوۃ کی ادائیگی) اس ھدف ے حصول کی خاطر ہے۔

روزہ:

لغت میں روزہ سے مراد" امساک اور ہر چیز سے رکنے کے ہیں۔ لیکن فقہی اصطلاح میں روزے کو اذان صبح سے لے کر اذان مغرب تک کھانے پینے اور چند دوسرے امور سے رکے رہنے سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔اس قصد اور نیت کے ساتھ کہ یہ فرمان پروردگار کی اطاعت ہے۔ جیساکہ فرمان رب ذوالجلال ہے کہ " اے ایمان والو! تم پر روزہ لکھ دیا گیا ہے (واجب کردیا گیا) جیسا کہ تم سے پہلے امتوں پر واجب لکھ دیا گیا تھا[11]۔ روزہ ایک رب ذوالجلال کا لطف ہے کہ جو انسانی جسم اور روح پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس کے علاوہ نفس کی خواہشات کو سر کوب کرنے اطاعت پروردگار بجالانے اور دردمندوں کے ساتھ دوستی، صمیمت اور لطافت قلبی کا باعث ہے۔ نتیجتا اصلاح وتربیت نفس، تقویت روح اور جسمانی سالمیت میں روزے کا اہم کردار ہے۔

ماہ رمضان کا روزہ دین اسلام کے ستون میں سے ہے اور ہر مسلمان عاقل، بالغ اور سالم پر واجب ہے کہ اس ماہ میں روزے رکھیں۔ اور یہ بات یقین آور ہے کہ ماہ رمضان کے روزے رکھنے سے انسان کے جسم اور روح کی آلودگی کہ (جو انسان کے گناہوں کے باعث اس کی چشم معنوی کو دھندلا کردیتی ہے)

---

[11] سورہ بقرہ آیت 183:

دور ہوتی ہے۔ لہٰذا روزہ ایک لطف الٰہی ہے کہ جو انسان کو اس کی اصل کے ساتھ متصل رکھنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

علامہ طباطبائی کا بیان:

متن تفسیر:

والصيام والصوم في اللغة مصدران بمعنى الكف عن الفعل: كالصيام عن الأكل والشرب والمباشرة والكلام والمشي وغير ذلك، وربما يقال: إنه الكف عما تشتهيه النفس وتتوق إليه خاصة ثم غلب استعماله في الشرع في الكف عن أمور مخصوصة، من طلوع الفجر إلى المغرب بالنية، والمراد بالذين من قبلكم الأمم الماضية ممن سبق ظهور الإسلام من أمم الأنبياء كأمة موسى وعيسى وغيرهم، فإن هذا المعنى هو المعهود من إطلاق هذه الكلمة في القرآن أينما أطلقت، وليس قوله: كما كتب على الذين من قبلكم، في مقام الإطلاق من حيث الأشخاص ولا من حيث التنظير فلا يدل على أن جميع أمم الأنبياء كان مكتوبا عليهم الصوم من غير استثناء ولا على أن الصوم المكتوب عليهم هو الصوم الذي **كتب علينا من حيث الوقت والخصوصيات والأوصاف، فالتنظير في الآية إنما هو من حيث أصل الصوم والكف لا من حيث خصوصياته....**

مفہوم متن:

کلمہ صیام اور کلمہ ٔ صوم لغت میں کسی عمل سے پرھیز کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں مثلا کھانے سے پرھیز (صوم) پینے سے پرھیز (صوم) جماع اور بات کرنے سے پرھیز (صوم) چلنے سے پرھیز (صوم) اور اسی طرح کی مثالوں کے مطابق (یعنی) ان چیزوں سے پرھیز وغیرہ۔ ممکن ہے ان امور کے بارے میں پرھیز کرنے کو خاص کیا جائے کہ جن کی طرف انسان میل اور رغبت رکھتا ہے۔ صاحب گفتار نے کہاہے کہ صوم کا معنی ایسے کاموں سے پرھیز کے ساتھ خاص ہے لیکن بعد میں شریعت میں چند مخصوص اور معین کاموں میں طلوع فجر سے لے کر مغرب تک پرھیز کرنے کے ساتھ مختص کیا گیا۔ (آیت ٔ کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم۔۔۔لعلکم تتقون کے مطابق)

کما کتب علی الذین من قبلکم سے مراد گذشتہ امتیں ہیں جو قبل از ظھور اسلام تھیں گذشتہ انبیاء کی امتیں مثلا امت حضرت عیسیٰؑ وحضرت موسیٰؑ اور ان کے علاوہ دوسرے انبیاء کی امتیں۔ جہاں بھی قرآن میں اسطرح کے کلمات ملتے ہیں ان کی برگشت اسی طرف ہی ہے۔ البتہ جملہ کما کتب علی الذین۔۔۔۔ اشخاص کے اعتبار سے مطلق نہیں ہے کہ خدا فرمانا چاہتا کہ ہر امت پہ الگ الگ روزے رکھتی تھیں۔ اور نہ ہی اس سے مراد یہ ہے کہ اسلام روزے گذشتہ امتوں کی طرح ہیں۔

پس آیہ شریفہ نہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تمام گذشتہ امتیں بغیر کسی استثناء کے روزے رکھتیں تھیں اور نہ ہی اس بات یہ کہ تمام گذشتہ امتوں کے روزے مسلمانوں کی طرح رمضان اور فلاں وقت سے فلاں وقت تک ہمارے روزے کی تمام خصوصیات رکھتے ہیں۔ بلکہ فقط مقصود یہ ہے کہ گذشتہ امتوں کے روزوں کا بھی اثبات کرے (بس) اور فرمائے کہ پہلی امتیں بھی روزہ رکھتیں تھیں۔

لعلکم تتقون:

وثنايي (ھندی) جب کسی جرم کے مرتکب ہوتے تھے تو اپنے خدا کے غضب کو فوراٹھنڈا کرنے کے لئے روزہ رکھتے تھے اور اسی طرح جب بھی انہیں کوئی حاجت پیش آتی تو یہی عبادت کرتے۔ اس قسم کا روزہ حقیقت میں ایک

معاملہ اور مبادلہ تھا۔ عابد روزہ رکھنے سے خدا کی حاجت پوری کرتا جبکہ معبود عابد کی۔ یا عابد خدا کی رضایت حاصل کرتا کہ وہ بھی اس کی رضایت پاسکے۔

لیکن دین اسلام میں روزہ معاملہ اور مبادلہ نہیں کیونکہ خداوند متعال اس سے بہت عظیم ہے کہ اس کے بارے میں فقر، احتیاج اور اذیت کا تصور کیا جائے۔ المختصر یہ ہے کہ خداوند متعال ہر (عیب) نقص سے بری ہے۔

پس ھر عبادت کا ھر اچھا اثر (صرف اور صرف) عابد رہی عائد ہوتا ہے نہ کہ خدا پر اسی طرح گناہوں کا برا اثر بھی بندوں کر طرف ہی پلٹتا ہے (کیونکہ خدا نہ تو کسی چیز کا محتاج ہے اور نہ ہی کوئی برائی اس پر پذیر ہو سکتی ہے وہ ھر چیز یہ غالب ہے)

"ان احسنتم احسنتم لانفسکم[12] وان اساتم فلها

یہ ایسا مطلب ہے کہ قرآن نے اپنی تعلیمات میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور آثار اطاعت اور نافرمانی کو انسانوں ہی کی طرف لوٹایا ہے انسان فقر اور احتیاج کے علاوہ کچھ نہیں رکھتا قرآن ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے "یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی[13] روزے کے فائدے کا بیان اور یہ کہ اس کا نفع خود عابد کو ہی حاصل ہوتا ہے:۔

روزہ یہ ہے کہ آثار اطاعت خود بندے کی طرف لوٹتے ہیں جیسے کہ فرمایا: "لعلکم تتقون خاصیت روزے کا فائدے تقوی ہے اور یہ ایسا فائدے ہے کہ جو خود تم یہ ہی عائد ہوتا ہے۔

حج:۔

[12] سورہ اسراء آیت (7)

[13] سورہ فاطر آیت (15)

لغت میں ؒ حج کسی چیز کے قصد کرنے کو کہتے ہیں[14]۔

شرعی اصطلاح میں حج ایسی عبادت ہے جو معین زمان مکان اور ایک خاص شکل میں بیت الحرام کے جوار میں حصول تقرب اور اطاعت خدا بجالانے کے لئۓ انجام دی جاتی ہے[15]۔

معنی لغوی اور اصطلاحی میں ربط یہ ہے کہ انسان مخصوص اعمال کے لئۓ خانہ خدا کی زیارت کا قصد اور ارادہ کرتا ہے

حجۃ الاسلام سے مراد خانہ خدا کی زیارت اور وہ اعمال کہ جو وہاں بجالانے ہوتے ہیں۔حج فقط اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو مندرجہ ذیل شرائط کا حامل ہو۔(1) بالغ ہو،(2) عاقل ہو،(3) آزاد،(4) مستطیع ہو،(5) سازوسامان رکھتا ہو(6) مزاج کی سلامتی اور سفر حج کی توانائی رکھتا ہو،(7) اھل وعیال کے اخراجات رکھتا ہو،(8) حج سے لوٹنے کے بعد ذریعہ معاش وغیرہ رکھتا ہو۔ہر شخص کہ جس میں مذکورہ بالا شرائط موجود ہوں اس پر اطاعت خدا کے مطابق فریضہ حج کی ادائیگی واجب ہے۔ مفسران قرآن نے حج اصغر عمرہ کو کہا ہے جبکہ حج اکبر کہ جو عید قربان کہ وقت ادا کیا جاتا ہے اس کے بارے میں مختلف نظریات وجود رکھتے ہیں[16]۔

جیسا کہ حج اکبر اور اصغر کا معنی بیان کیا گیا ہے مرحوم علامہ کے بیان کے مطابق اب حج اکبر اور اس کے ایام کے بارے میں بحث ملاحظہ ہو

مرحوم علامہ کا بیان :۔

متن تفسیر:

---

[14] ابن درید، محمد بن حسن، جمھرۃ اللغۃ ج 1، ص 86:

[15] سعدی، ابو حبیب، القاموس الفقھی لغۃ واصطلاحا ص 76-77:

[16] پرتوی از اسرار حج تحقیق عباس علی زراعی سبزواری ص 31:

.﴿فإذا انسلخ الأشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم﴾ إلى آخر الآية

وقد اختلفوا في تعيين المراد بيوم الحج الأكبر على أقوال: منها: أنه يوم النحر من سنة التسع من الهجرة لأنه كان يوما اجتمع فيه المسلمون والمشركون ولم يحج بعد ذلک العام مشرک، وهو المؤيد بالأحاديث المروية عن أئمة أهل البيت (عليهم السلام) والأنسب بأذان البراءة، والاعتبار يساعد عليه لأنه كان أكبر يوم اجتمع فيه المسلمون والمشركون من أهل الحج عامة بمنى وقد ورد من طرق أهل السنة روايات في هذا المعنى غير أن مدلول جلها أن الحج الأكبر اسم يوم النحر فيتكرر على هذا كل سنة ولم يثبت من طريق النقل تسمية على هذا النحو۔

ومنها: أنه يوم عرفة لأن فيه الوقوف، والحج الأصغر هو الذي ليس فيه وقوف وهو العمرة، وهو استحسان لا دليل عليه، ولا سبيل إلى تشخيص صحته۔

ومنها: أنه اليوم الثاني ليوم النحر لأن الإمام يخطب فيه وسقم هذا الوجه ظاهر

ومنها: أنه جميع أيام الحج كما يقال: يوم الجمل، ويوم صفين، ويوم بغاث، ويراد به الحين والزمان، وهذا القول لا يقابل سائر الأقوال كل المقابلة فإنه إنما يبين أن المراد باليوم جميع أيام الحج، وأما وجه تسمية هذا الحج بالحج الأكبر فيمكن أن يوجه ببعض ما في الأقوال السابقة كما في القول الأول.........................

مفہوم متن:۔

یوم الحج الاکبر سے مراد اور اس کے بارے میں مختلف اقوال :۔

جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ حج روز حج اکبر کیا ہے تو اس بارے میں مفسریں کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہجرت کے نویں سال کا دہم ذی الحجہ ہے۔ کیونکہ اس دن مسلمان اور مشرکان ایک جگہ جمع ہوئے تھے اور خانہ خدا کا حج ادا کیا تھا اور اس کے بعد دوسرے سالوں میں کسی بھی مشرک نے خانہ خدا کا حج نہیں کیا۔ اور اس قول کی تایید میں آئمہ اھل بیتؑ سے بھی روایات نقل ہوئی ہیں جو اعلام برائت کے ساتھ ساز گار اور عقلی طور یہ بھی دوسرے اقوال سے مناسب تر ہیں۔ کیونکہ وہ دن ایک بزرگترین دن تھا کہ جب مسلمان اور مشرکان منیٰ میں جمع تھے۔ اور یہی معنا طرق عامہ کی روایات سے بھی ملتا ہے۔ ان روایات میں روز حج اکبر سے مراد ھر سال کا دھم (ذی الحجہ) ہے کہ کہ ہجرت کے نویں سال کا دھم (دسواں دن) اس بنا پر حج اکبر ھر سال تکرار ہوگا لیکن نقل شدہ روایات سے ثابت نہیں ہوا کہ روز دھم کو روز حج اکبر کا نام دیا گیا ہو۔

بعض دوسروں نے کہا ہے کہ اس سے مراد (یوم الحج الاکبر) روز عرفہ (نہم ذی الحجہ) ہے کیونکہ وقوف اس دن کو ہے اور عمرہ میں وقوف نہیں ہے (لھذا وہ) حج اصغر ہے۔

لیکن یہ قول صرف استحسان اور سلیقے والا عمل ہے۔ اس بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور اسکے صحیح ہونے کی تشخیص کرنے کے لئے بھی ہمارے پاس کوئی راہ حل نہیں ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد نحر (قربانی) کا دوسرا دن ہے۔ کیونکہ اس دن امام مسلمین خطبہ دیتے ہیں۔ اس قول کا باوثوق نہ ہونا بھی روشن ہے۔ ایک اور قول یہ کہ اس سے مراد تمام ایام حج ہیں بالکل اسی طرح جیسا کہ جنگ جمل کے تمام ایام کو روز جمل اور جنگ صفین کے ایام کو روز صفین یا روز

ابعاث کہتے ہیں۔ در حقیقت ان مفسران کی روز سے مراد زمان وقت ہے پس روز حج اکبر سے مراد زمان حج اکبر ہے۔ اس قول کو دوسرے اقوال کے مقابل جداگانہ تصور نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان تمام روز کے ساتھ یہ سزوار ہے۔ اور ان تمام دنوں کو روز حج اکبر کہا جاسکتا ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حج کو حج اکبر کیوں کہا؟

اس بات کی توجیہ پہلے اقوال مثلا قول اول سے ممکن ہے۔

علامہ طباطبائی کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اور حج اکبر کے بارے میں کونسے اختلافات پائے جاتے ہیں اور ان اختلاف کی وجوہات کیا ہیں نتیجہ علامہ نہیں حج اکبر کی وجہ تسمیہ بھی بیان کی ہے کہ جسے اقوال بالخصوص قول اول سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔